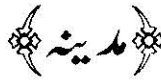


مولانا عبدالماجد دریا آبادی

سفر حجاز

حجاز مقدس اور دیار نبی ﷺ کی زیارت ہر مسلمان کی دلی تمنا اور دیرینہ آرزو رہی ہے۔ ہمیشہ سے اس منزل مراد کی جانب عہدِ امت کے قافلے سرگشتگی اور دیوانگی کے عالم میں خراماں خراماں کشاں کشاں رواں دواں رہے ہیں۔ محبوب کے وصال و قرب کی داستانیں تو ہمیشہ سے ہم سنتے چلے آرہے ہیں لیکن یہ ایک ایسے محبوب اور اس دیار کے سفر کے واردات قلبی ہیں، جنہیں پڑھ کر ایک روحانی سکون اور پر کیف سرشاری کا ایک ایسا عالم طاری ہوتا ہے "جو روح کو تڑپا دے اور قلب کو گرمادے"۔ زیرِ نظر مضمون دراصل مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے روح پرور "سفرنامہ حجاز" کے چند اقتباسات پر مشتمل ہے۔ جو کہ ربیع الاول کی مناسبت سے نذر قارئین کیا جاتا ہے۔ (مدیر)



بوئے یار مہربانم می رسد بوئے جانان سوئے جانم می رسد
باز آمد آب مادر جوئے ما باز آمد شاہ ما در کوئے ما

۱۱۔ اپریل ۲۹ء پنجشنبہ، یکم ذیقعدہ ۱۴۳۷ھ آج کی صبح کتنی مبارک صبح ہے۔ آج کے دن زندگی کا سب سے بڑا ارمان پورا ہونے کو ہے۔ آج ذرہ آفتاب بن رہا ہے۔ آج بھگا ہوا غلام اپنے آقا کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے۔ آج گنہگار امتی کو شفیع و شفیع رسول اللہ ﷺ کے آستانہ پر سلام کی عزت حاصل ہو رہی ہے! ہندوستان کی عورتیں ذیقعدہ کو "خالی" کا مہینہ کہتی ہیں، پر جس کے نصیب میں اس "خالی" مہینہ میں اس دولت سے مالا مال ہونا مقدر ہو چکا ہو وہ اس مہینہ کو کیا کہہ کر پکارے؟ "جمعرات" کو شاید قافیہ کی رعایت سے "پیروں کی کرامات" کہتے ہیں، ہر جمعرات ایسی ہی ہوتی ہوگی لیکن کس جمعرات کو کسی کی قسمت میں یہ کرامت لکھی ہو۔ اس کا توجہ میں آتا ہے کہ پیروں اور بزرگوں کی نہیں، تباہ کاروں اور سیاہ کاروں کی کرامات نام رکھے!۔

عاذلا چند ایں صداع و ماجرا
غیر جدآں نگار مقلم
پند کم وہ بعد ازیں دیوانہ را
گرد و صد زنجیر آری بگسلم
وقت آں آمد کہ من عریاں شوم
جسم بجز ازم سراسر جال شوم

شب منزل بیر حسان میں گزاری تھی۔ صبح سویرے روانہ ہوئے اور سات بجے مسجد میں دم لیا۔ سرزمین طیبہ کے انوار و آفتاب، صبح ہی سے شروع ہو گئے تھے۔ روحانی انوار تو خیر جس کسی کو نظر آتے ہوں گے اس کیلئے ہیں۔ باقی مادی فضاؤں خوش آئند تبدیلیاں تو ہم بے بھروں کو بھی محسوس ہو رہی تھیں۔ خوش عقیدگی کا سوال نہیں، محض ثابت حواس اور اک کی ضرورت ہے؟ ۹-۱۰ بجے کھڑے کھڑے چند منٹ کیلئے ایک اور منزل پر رکے۔ اس کا نام اس وقت یاد نہیں آتا۔ یہ آخری منزل ہے۔ اس کے بعد کوئی اور درمیانی منزل نہیں، صرف منزل مقصود ہے۔ اب گویا نوان رینہ شروع ہو گیا۔ کھجور نہایت شاداب و شریں سامنے لگے ہوئے۔ ہوالطیف و خوشگوار، فضا خوش منظر، سبزہ۔ راستہ بھر کہیں نظر نہیں آیا۔ اب ہر طرف دکھائی دے رہا ہے۔ ریت کے میدان اور ریستان کے بجائے اب ہر طرف پہاڑیوں کا سلسلہ، سڑک اتنی ہموار اور نفیس کہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں نہیں ہندوستان میں سفر کر رہے ہیں۔ دس بجے، سو اوس بجے، ساڑھے دس بجے، ادھر وقت کی گھڑیاں گزر رہی ہیں اور ادھر دلوں کا شوق و اشتیاق ہے کہ ہر منٹ، ہر سکند بڑھتا جا رہا ہے۔ کسی کے ہاتھ میں مناسک و آداب زیارت کے رسالے ہیں۔ وہ انہیں دیکھ دیکھ کر دعائیں یاد کر رہا ہے اور کوئی خالی درود شریف کا ورد کیے جا رہا ہے۔ ہر قلب اپنے اپنے حال میں گرفتار، ہر دل اپنی اپنی جگہ مضطرب قرار، کسی کی آنکھیں اشک بار اور کسی کا دماغ نشہ لذت و فرحت سے سرشار! اپنی نسبتیں اور اپنا اپنا اعتبار!۔ فقیہ نامور صاحب فتح القدیر ابن ہمام نے لکھا ہے: "کل ماکان فی الادب والاجلال کان حسنا" (ادب و تعظیم کے خیال سے جو کچھ بھی کیا جائے اچھا ہی ہے)۔ سارا قافلہ ذوق و شوق کی تصویر اور تو اور نجدی شوفر تک چند لمحوں کیلئے بجائے "نجدی" کے "وجدی" بنا ہوا۔ "مولانا مناظر فرط گریہ سے بیتاب ضبط و احتیاط کے باوجود بھی چیخ نکل جانے پر مجبور، ایک سرگشتہ و دیوانہ، عقل سے دور علم سے بیگانہ، نہ گریاں نہ شاداں نہ اپنی حضوری کی خوش بختی پر خوش اور نہ تباہ کاریوں کی یاد پر مغموم۔ محض اس الجھن میں گرفتار کہ یا الہی یہ بیداری ہے یا خواب؟ کہاں یہ ارض پاک اور کہاں یہ بے مایہ مشت خاک؟ خاک مدینہ کی سرزمین اور کہاں اس تنگ خلألق کی جبین! کہاں سید الانبیاء ﷺ کا آستانہ اور کہاں اس رو سیاہ کا سروشانہ، کہاں وہ پاک سرزمین کہ اگر اس پر قدسیوں کو بھی چلنا نصیب ہو تو ان کے فخر و شرف کا نصیب

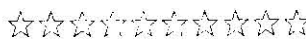
جاگ جائے اور کہاں ایک آوارہ و ناکارہ بے تکلف اسے پامال کرنے کی جرأت کر بیٹھے۔ عراقی نے کہا تھا کہ نپاک کے سجدہ کرنے سے زمین افراطا ذیت سے چیخ اٹھتی ہے :-

بہ زمین چو سجدہ کردم زمیں ند ابر آمد تو مرا خراب کردی بہ ایں سجدہ ریائی
تو جب ہر معمولی اور عام خطہ زمین ریاکار کے سجدہ سے یہ ایذا محسوس کرتا ہے تو پھر اس عظمت و تقدس والی سر زمین کے جگرو سینہ پر ایک ریاکار کے بار قدم سے کیا گزر گئی ہوگی!



گنبد خضراء

طور کی چوٹیاں جس وقت کسی تجلیات جمالی کی جلوہ گاہ بننے لگیں تو پاکوں کے پاک اور دلیروں کے دلیر، موسیٰ کلیم تک تاب نہ لاسکے اور اللہ کی کتاب گواہ ہے کہ کچھ دیر کیلئے ہوش و حواس رخصت ہو گئے۔ معراج کی شب کسی کا جمال بے نقاب ہونے لگا تو روایات میں آتا ہے کہ اس وقت وہ عبد کامل جو فرشتوں سے بڑھ کر مضبوط دل اور قوی ارادہ کا پیدا کیا گیا تھا اپنی تنہائی کو محسوس کرنے لگا اور ضرورت ہوئی کہ "رفیق غار" کا تمثیل سامنے لا کر آب و گل کے نئے ہوئے پیکر نور کی تسلی کا سامان کیا جائے۔ یہ سرگزشت ان کی تھی جو قدسیوں سے بڑھ کر پاک اور نورانیوں سے بڑھ کر لطیف تھے۔ پھر وہ مشیت خاک جو ہمہ کثافت اور ہمہ غلاظت ہو جس کا ظاہر بھی گند اور باطن بھی گند! اگر وہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد اقدس میں قدم رکھتے ہچکچاہو، اگر اس کا قدم رسول ﷺ کے روضہ انور کی طرف بڑھتے ہوئے لڑکھڑاہو، اگر اس کی بہمت رحمت و جمال کی سب سے بڑی تجلی گاہ میں قدم رکھنے سے جواب دے رہی ہو، اگر اس کا دل اس وقت اپنی بچاؤ کی دور ماندگی کے احساس سے پانی پانی ہوا جا رہا ہو تو اس پر حیرت کیوں کیجئے؟ خلاف توقع کیوں سمجھئے؟ اور خدا کیلئے اس ناکارہ و آوارہ و بچارہ دور ماندہ کے اس حال زار کی ہنسی کیوں اڑائیے؟۔ مغرب کی اذان میں چند منٹ باقی تھے کہ قسمت کی یادی نے باب النساء کے متصل ایک ہندی بزرگ مولانا سید احمد صاحب فیض آبادی مدظلہ کی خدمت میں پہونچایا۔ موصوف ہمارے مولانا سید حسین احمد صاحب کے حقیقی بھائی اور سن میں ان سے بڑے ہیں۔ ۲۵-۳۰ سال سے اپنے وطن نانڈہ ضلع فیض آباد سے ہجرت کیے ہوئے دیار رسول ﷺ میں حاضر ہیں۔



﴿چل چلاؤ﴾

دن گزرتے دیر نہیں لگتی دیکھتے دیکھتے روائی کا زمانہ آن لگا۔ اور یہ تو خیر چند ہفتوں کا زمانہ تھا۔ جلد کٹ جانے والا تھا ہی ساری کی ساری عمریں ایسی ہی تیزی اور روانی کے ساتھ گزر جاتی ہیں اور پتا بھی نہیں چلنے پاتا کہ جہن کے کھیل کب کھیلے جوانی کی نیند کب سوئے اور ضعیفی کے گوشہ تنہائی میں کب بیٹھنے پر مجبور ہوئے! ایک دن وہ تھا کہ مدینہ آنے کی آرزوئیں تھیں!..... کیسے کیسے منصوبے باندھے جارہے تھے۔ کیا کیا خیالی پلاؤں پر رہے تھے ذوق و شوق کی کیسی کیسی امنگیں دل میں اٹھ رہی تھیں۔ لب پر کیا کیا دعائیں تھیں اور ایک دن یہ آگیا (اور گویا اپنے وقت ہی پر لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یک بیک آگیا) کہ کوچ کی گھنٹی بج گئی۔ اب چل چلاؤ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ بستر لیٹے جارہے ہیں۔ سامان باندھا جا رہا ہے، سوار یوں کی فکر ہے اور ایک ایک سے مل کر زبان پر الوداع و الفراق!

ع آئے تھے کیا کرنے اور کیا کر چلے!

غفلت و شامت نے یہاں بھی ساتھ نہ چھوڑا اور وقت کی بے بہاد دولت اتنی تمنائوں اور آرزوؤں کے بعد نصیب میں آئی تھی۔ وہ اس بے پروائی، بیدردی کے ساتھ ضائع کی گئی کہ شاید دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مسرف بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

چوپر سش گنہم روز حشر خواہد بود تمسکات گناہان خلق پارہ کنند
بہر حال جو کچھ ہوتا تھا ہو کر رہا، تسکین و تسلی کا اگر کوئی ذریعہ اور کچھ سہارا ہے تو صرف یہ کہ دربارِ رحمتہ
نلعالمین کا تھا اور سابقہ اس سے پڑنے والا ہے جو رحمتیں درجیم ہے۔

عصیان ما و رحمت پروردگار ما ایں را نہایتے ست نہ آن را نہایتے

☆☆☆☆☆☆☆☆

ذیقعدہ کی پہلی تھی جب اس پھانگ سے اس نور و برکت والے شہر میں داخل ہوئے تھے۔ ذی الحجہ کی چوتھی کو اسی پھانگ سے اس رحمت و مغفرت والے شہر سے باہر نکلے۔ جمال ایک دن کا بھی قیام اگر میسر آجائے تو تقدیر کی یاوری اور ابرار و متقین کی نصیب دہی ہے وہاں ایک دن نہیں دو دن نہیں اکٹھے ۳۳ دن کی حاضری ایک تباہ کارنامہ سیاہ کو نصیب ہو گئی! شان کریبی کے بھی عجیب عجیب انداز ہیں، جس مفلس کو چاہیں، دم بھر میں مالامال کر دیں، جس تہی دامن کو چاہیں ایک پل میں نوازدیں، جس ریگستان کو چاہیں آن کی آن میں

گلزار بنادیں۔ جس آتش کدہ میں چاہیں چشم زدن میں پھول کھلا دیں، نہ کریم کا دست کرم کو تاہ ہونے والا ہے نہ بخششوں کا خزانہ کبھی خالی ہونے والا ہے!۔

اے مبدل کردہ خاکے رلبہ زر خاک دیگر را نمودہ یو البشر
کار تو تبدیل اعیان و عطا کارما سہوست و نسیان و خطا
اے کہ خاک شورہ را تو نان کنی دے کہ نان مردہ را تو جان کنی
اے کہ جان خیرہ را رہبر کنی دے کہ بے رہ را کہ پیغمبر کنی

یہ داستان درد اس وقت نہ سنئے کہ وقت کی پیش بہا گھڑیاں ضائع کس بیدردی کے ساتھ ہوئیں۔ سوال اس وقت یہ نہیں کہ اپنے سے کیا بن پڑا بلکہ صرف یہ ہے کہ اوھر سے کیا کیا نواز شیں اور کیسی کیسی سرفرازیاں ہوتی رہیں! یہ نعمت کچھ کم ہے کہ حضوری کی توفیق اتنے عرصے تک نصیب کر دی گئی۔ عصر حاضرہ کے شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے ایک مرید نے شکایت کی کہ طائف میں چلہ باندھ کر روزانہ سوالا کہ مرتبہ اسم ذات کا ذکر تار رہا اور کچھ ثمرات و انوار ظاہر نہ ہوئے۔ حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "ارے میاں یہ دولت کچھ کم ہاتھ رہی کہ چالیس دن تک اللہ پاک کا نام سوالا کہ مرتبہ روزانہ زبان سے نکلتا رہا!" بہر حال جو کچھ ہو اوہ اپنے حوصلہ سے کہیں بڑھ کر۔

اعتراف ہے کہ آنکھوں نے جس مدینہ کو دیکھا وہ بیسویں صدی کا مدینہ تھا۔ پہلی صدی عیسوی کے ربع اول کا مدینہ نہ تھا۔ صدیق و فاروق و علی کا مدینہ نہ تھا۔ صحابہ و تابعین کا مدینہ نہ تھا۔ مجتہدین و آئمہ تصوف کا بھی مدینہ نہ تھا۔ خزاں میں موسم گل کی توقعات ہی کسی چمن سے کیوں قائم کی جائیں؟ لیکن بایں ہمہ مدینہ پھر مدینہ تھا، تاج نہ سہی کبھی تو اللہ کے پیارے اور اس پیارے کے پیاروں کا شہرہ چکا ہے۔ اس دور یا جو جیت میں اگر کہیں کوئی جگہ بھی پناہ کی ہے تو بجز اس آستان پاک کے اور کہاں ہے؟ آج رخصتی اس دربار سے تھی! آج کوچ اس جنت ارضی سے تھا! آج فراق اس دیار حبیب ﷺ کے گلی کوچوں سے ہو رہا تھا! آدم جس طرح جنت سے جدا ہوئے ہیں اس قصہ سے سب واقف ہیں، لیکن ابن آدم کو جب فخر آدم و فخر نسل آدم کی گلیوں کو چھوڑنا پڑتا ہے تو اس وقت اس کے دل پر کیا گزرتی ہے؟ یہ داستان کون سنائے اور کس کو سنائے؟۔